

بیان القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

دورۂ ترجمہ قرآن

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیات ۲۵۴ تا ۲۵۷

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ۲۵۴ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۲۵۵ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۲۵۶ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۲۵۷

تقریباً دو رکوعوں پر مشتمل طالوت اور جالوت کی جنگ کے واقعات ہم پڑھ چکے ہیں اور اب گویا غزوہ بدر کے لیے ذہنی اور نفسیاتی تیاری ہو رہی ہے۔ غزوات کے لیے جہاں سرفروشی کی ضرورت ہے وہاں انفاق مال بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ اب یہاں بڑے زوردار انداز میں انفاق مال کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ البقرہ کے نصف آخر میں چار مضامین تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ یعنی انفاق مال، قتل عبادات اور معاملات۔ یہ گویا چار زوریوں ہیں جو ان بائیس رکوعوں کے اندر تانے بانے کی طرح گتھی ہوئی ہیں۔

آیت ۲۵۴ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ ”اے اہل ایمان! خرچ کرو اس میں سے جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے

کہ وہ دن آدھمکے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی شفاعت مفید ہوگی۔“

﴿وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور جو انکار کرنے والے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔“

یہاں کافر سے مراد اصطلاحی کافر نہیں بلکہ معنوی کافر ہیں، یعنی اللہ کے حکم کا انکار کرنے والے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس حکم اتفاق کی تعمیل نہیں کرتا، دیکھتا ہے کہ دین مغلوب ہے اور اس کو غالب کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے اس کے کچھ تقاضے ہیں اس کی مالی ضرورتیں ہیں اور اللہ نے اسے مقدرت دی ہے کہ اس میں خرچ کر سکتا ہے لیکن نہیں کرتا، وہ ہے اصل کافر۔

اس کے بعد اب وہ آیت آرہی ہے جواز روئے فرمان نبوی ﷺ قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے یعنی ”آیۃ الکرسی“۔ اس کا نام بھی معروف ہے۔ میں نے آپ کو سورۃ البقرۃ میں آنے والے حکمت کے بڑے بڑے موتی اور بڑے بڑے پھول گوائے ہیں مثلاً آیۃ الایات، آیۃ البر، آیۃ الاختلاف اور اب یہ آیۃ الکرسی ہے جو توحید کے عظیم ترین خزانوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے تمام آیات قرآنی کی سردار قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ، وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ، هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ)) (۱)

”ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور یقیناً قرآن حکیم کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے اس میں ایک آیت ہے جو آیات قرآنی کی سردار ہے یہ آیۃ الکرسی ہے۔“

جس طرح آیۃ البر اور سورۃ العصر میں ایک نسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور نجات کی ساری کی ساری شرائط ایک چھوٹی سی سورۃ میں جمع کر دیں: ﴿وَالْعَصْرِ ۝١ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣﴾ لیکن اس کی تفصیل ایک آیت میں بیان ہوئی ہے اور وہ آیۃ البر ہے۔ چنانچہ ہم نے مطالعہ قرآن حکیم کا جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے اس میں پہلا درس سورۃ العصر کا ہے اور دوسرا آیۃ البر کا ہے۔ یہی نسبت آیۃ الکرسی اور سورۃ الاخلاص میں ہے۔ سورۃ العصر ایک مختصری سورت ہے جبکہ آیۃ البر ایک طویل آیت ہے۔ اسی طرح سورۃ الاخلاص چار آیات پر مشتمل ایک چھوٹی سی سورت ہے اور یہ آیۃ الکرسی ایک طویل آیت ہے۔ سورۃ الاخلاص توحید کا عظیم ترین خزانہ ہے اور توحید کے موضوع پر قرآن حکیم کی جامع ترین سورت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ثلاث قرآن قرار دیا ہے جبکہ توحید اور خاص طور پر توحید فی الصفات کے موضوع پر قرآن کریم کی عظیم ترین آیت یہ آیۃ الکرسی ہے۔

(۱) سنن الترمذی ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فضل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی۔

آیت ۲۵۵ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اللہ وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں۔“

﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ ”وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا ہے۔“

وہ از خود اور با خود زندہ ہے۔ اس کی زندگی مستعار نہیں ہے۔ اس کی زندگی ہماری زندگی کی مانند نہیں ہے جس کے بارے میں بہادر شاہ ظفر نے کہا تھا۔

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن

دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں!

اللہ تعالیٰ کی زندگی ”حیات مستعار“ نہیں ہے وہ کسی کی دی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی ضعف، کوئی کمزوری اور کوئی احتیاج نہیں ہے۔ وہ خود اپنی جگہ زندہ و جاویدستی ہے اور باقی ہر شے کا وجود اس کے حکم سے قائم ہے۔ وہ ”الْقَيُّومُ“ ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر کوئی شے قائم نہیں ہے۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کے لیے دو الفاظ ”الْأَحَدُ“ اور ”الْصَّمَدُ“ آئے ہیں۔ وہ اپنی جگہ ”الْأَحَدُ“ ہے لیکن باقی پوری کائنات کے لیے ”الْصَّمَدُ“ ہے۔ اسی طرح وہ از خود ”الْحَيُّ“ ہے اور باقی پوری کائنات کے لیے ”الْقَيُّومُ“ ہے۔

﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ ”نہ اس پر اونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔“

﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ”جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔“
ہر شے کی ملکیت تامہ اور ملکیت حقیقی اُسی کی ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ ”کون ہے وہ جو شفاعت کر سکے اس کے پاس کسی کی گمراہی کی اجازت سے!“

سورۃ البقرۃ میں قبل ازیں تین مرتبہ قیامت کے روز کسی شفاعت کا دو ٹوک انداز میں انکار (categorical denial) کیا گیا ہے کہ کوئی شفاعت نہیں! یہاں بھی بہت ہی جلالی انداز اختیار کیا گیا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ﴾ یعنی کس کی یہ حیثیت ہے، کس کا یہ مقام ہے، کس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی حیثیت کی بنیاد پر اللہ کے حضور کسی کی شفاعت کر سکے؟ ﴿اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ ہاں، جس کے لیے اللہ اجازت دے دے۔ یہاں پہلی مرتبہ استثناء کے ساتھ شفاعت کا ذکر آیا ہے ورنہ سورۃ البقرۃ کے چھٹے رکوع کی دوسری آیت میں ہم الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً﴾ ”اور نہ (اُس روز) کسی کی طرف سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گی۔“ اسی طرح پندرہویں رکوع کی دوسری آیت میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ ”اور نہ اُس کو کسی کی شفاعت ہی فائدہ دے گی۔“ اور اب اس رکوع کی پہلی آیت میں آچکا ہے: ﴿وَلَا شَفَاعَةُ﴾ ”اور نہ کوئی شفاعت مفید ہوگی۔“ لیکن یہاں ایک استثناء بیان کیا جا رہا ہے کہ جس کو اللہ کی طرف سے اذن شفاعت حاصل ہو گا وہ اُس کے حق میں شفاعت کر سکے گا جس کے

لیے اذن ہوگا۔ یہ ذرا باریک مسئلہ ہے کہ شفاعت حقہ کیا ہے اور شفاعت باطلہ کیا ہے۔ دورہ ترجمہ قرآن کے دوران اس پر تفصیل کے ساتھ بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس پر میں اپنے تفصیلی درس ریکارڈ کراچکا ہوں ☆۔
﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔“

عام طور پر دنیا میں ہم کسی کی سفارش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بھی میں اس شخص کو بہتر جانتا ہوں اصل میں یہ جیسا کچھ نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے اس کے بارے میں جو معلومات آپ تک پہنچی ہیں وہ مبنی بر حقیقت نہیں ہیں اصل حقائق کچھ اور ہیں وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ بات اللہ کے سامنے کون کہہ سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ ”اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اللہ کے علم میں سے کسی شے کا بھی سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔“

باقی ہر ایک کے پاس جو علم ہے وہ اللہ کا دیا ہوا عطائی علم ہے۔ بڑے سے بڑے ولی بڑے سے بڑے رسول اور بڑے سے بڑے فرشتے کا علم بھی محدود ہے۔ فرشتوں کا قول ﴿لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ ہم جو تھے رکوع میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ”اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔“ یہاں کرسی کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا اقتدار اس کی قدرت اور اس کا اختیار (Authority) پوری کائنات کے اوپر حاوی ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی علامت کے طور پر واقعہ کوئی جسم شے بھی ہو جس کو ہم کرسی کہہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش اور کرسی کے بارے میں یہ دونوں باتیں ذہن میں رکھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی کوئی مجسم حقیقت ہو جو ہمارے ذہن اور تخیل سے ماوراء ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے استعارہ مراد ہو کہ اس کا اختیار اور اقتدار آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے۔
﴿وَلَا يَوَدُّهُ حِفْظُهُمَا﴾ ”اور اس پر گراں نہیں گزرتی ان دونوں کی حفاظت۔“

آسمانوں اور زمین کی حفاظت اور ان کا تھمنا اس پر ذرا بھی گراں نہیں اور اس سے اس پر کوئی ٹکان طاری نہیں ہوتی۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ ”اور وہ بلند و بالا (اور) بڑی عظمت والا ہے۔“

☆ محترم ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ نے قرآن آڈیو ریم لائبریری میں ۲۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو آیہ الکرسی کے درس کے حوالے سے مسئلہ شفاعت پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی۔ یہ درس ترتیب و تسوید کے بعد مئی ۲۰۰۲ء کے میثاق میں شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

یہ آیۃ الکرسی ہے جو تمام آیات قرآنی کی سردار اور توحید الہی کا ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ اس کے بعد آنے والی دو آیات بھی حکمت اور فلسفہ دین کے اعتبار سے بڑی عظیم آیات ہیں۔

آیت ۲۵۶ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ ”دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔“

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام میں کسی فرد کو جبراً مسلمان بنانا حرام ہے۔ لیکن اس آیت کا یہ مطلب نکال لینا کہ نظام باطل کو ختم کرنے کے لیے بھی کوئی طاقت استعمال نہیں ہو سکتی، پرلے درجے کی حماقت ہے۔ نظام باطل ظلم پر مبنی ہے اور یہ لوگوں کا استحصال کر رہا ہے۔ یہ اللہ اور بندوں کے درمیان حجاب اور آڑ بن گیا ہے۔ لہذا نظام باطل کو طاقت کے ساتھ ختم کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ اگر طاقت موجود نہیں ہے تو طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، لیکن جس مسلمان کا دل نظام باطل کو ختم کرنے کی آرزو اور ارادے سے خالی ہے اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔ طاقت اور جبر نظام باطل کو ختم کرنے پر صرف کیا جائے گا، کسی فرد کو مجبوراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔ یہ ہے اصل میں اس آیت کا مفہوم۔

﴿قَدْ تَسَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ ”ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔“

جتنی بھی کجیاں ہیں غلط راستے ہیں، شیطانی پگھڈنڈیاں ہیں صراطِ مستقیم کو ان سے بالکل مبرا بن کر دیا گیا ہے۔

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ﴾ ”تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرے“

دیکھئے، اللہ پر ایمان لانے سے پہلے طاغوت کا انکار ضروری ہے۔ جیسے کلمہ طیبہ ”لا اللہ الا اللہ“ میں پہلے ہر الہ کی نفی ہے اور پھر اللہ کا اثبات ہے۔ طاغوت طغی سے ہے، یعنی سرکش ہے۔ تو جس نے اپنی حاکمیت کا اعلان کیا وہ طاغوت ہے، جس نے غیر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا وہ بھی طاغوت ہے اور غیر اللہ کی حاکمیت کے تحت بننے والے سارے ادارے طاغوت ہیں، خواہ وہ کتنے ہی خوشنما ادارے ہوں۔ ”عدلیہ“ کے نام سے ایک ادارہ اگر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کر رہا، کچھ اور لوگوں کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کر رہا ہے تو وہ طاغوت ہے۔ ”مفتیہ“ کا ادارہ اگر اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق قانون سازی نہیں کر رہا تو وہ بھی طاغوت ہے۔ جو کوئی بھی اللہ کے حدود و بندگی سے تجاوز کرتا ہے وہ طاغوت ہے۔ دریا جب اپنی حدود سے باہر نکلتا ہے تو یہ طغیانی ہے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے!

طغی اور بغی دونوں بڑے قریب کے الفاظ ہیں، جن کا مفہوم طغیانی اور بغاوت ہے۔ فرمایا کہ ”جو کوئی کفر کرے طاغوت کے ساتھ۔“

﴿وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ ”اور پھر اللہ پر ایمان لائے“

طاغوت سے دوستی اور اللہ پر ایمان دونوں چیزیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کے دشمنوں سے بھی یارا نہ ہو اور اللہ کے ساتھ وفاداری کا دعویٰ بھی ہو یہی تو منافقت ہے۔ جبکہ اسلام تو ﴿حَنِيفًا مَّسْلَمًا﴾ کے مصداق کامل یکسوئی کے ساتھ اطاعت شعاری کا مطالبہ کرتا ہے۔

﴿فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى﴾ ”تو اُس نے بہت مضبوط حلقہ تھام لیا۔“

جس شخص نے یہ کام کر لیا کہ طاغوت کی نفی کی اور اللہ پر ایمان لایا اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا۔ یوں سمجھئے اگر کوئی شخص سمندری جہاز کے عرشے سے سمندر میں گر جائے، اسے تیرنا بھی نہ آتا ہو اور کسی طرح ہاتھ پیر مار کر وہ جہاز کے کسی کنڈے کو تھام لے تو اب وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی اسی سے وابستہ ہے، اب میں اسے نہیں چھوڑ دوں گا۔ وہ کنڈا اگر کمزور ہے تو اس کا سہارا نہیں بن سکے گا اور اس کے وزن سے ہی اکھڑ جائے گا یا ٹوٹ جائے گا، لیکن اگر وہ کنڈا مضبوط ہے تو وہ اس کی زندگی کا ضامن بن جائے گا۔ یہاں فرمایا کہ طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے والے شخص نے بہت مضبوط کنڈے پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔

﴿لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ ”جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔“

کبھی علیحدہ ہونے والا نہیں ہے۔ یہ بہت مضبوط سہارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک خطبہ میں یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں: ((وَأَوْثَقُ الْعُرَى كَلِمَةُ التَّقْوَى))^(۱) یعنی تمام کنڈوں میں سب سے مضبوط کنڈا تقویٰ کا کنڈا ہے۔ لہذا اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اللہ ولی ہے اہل ایمان کا“

ایمان درحقیقت اللہ اور بندے کے درمیان ایک دوستی کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ یہ ولایت باہمی یعنی دو طرفہ دوستی ہے۔ ایک طرف مطلوب یہ ہے کہ بندہ اللہ کا ولی بن جائے۔ ﴿إِنَّا أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ﴿يونس﴾ ”یاد رکھو اللہ کے دوستوں کے لیے نہ تو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔“ دوسری طرف اللہ بھی اہل ایمان کا ولی ہے، یعنی دوست ہے، پشت پناہ ہے، مددگار ہے، کارساز ہے۔

﴿يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ”وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔“

(۱) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی، ج ۲، ص ۵۹، عن زید بن خالد الجہنی۔

آپ نوٹ کریں گے کہ قرآن میں ”نور“ ہمیشہ واحد آتا ہے۔ ”انوار“ کا لفظ قرآن میں نہیں آیا اس لیے کہ نور ایک حقیقت واحدہ ہے۔ لیکن ”ظلمت“ ہمیشہ جمع میں آتا ہے اس لیے کہ تاریکی کے shades مختلف ہیں۔ ایک بہت گہری تاریکی ہے ایک ذرا اُس سے کم ہے پھر اُس سے کمتر ہے۔ کفر، شرک، الحاد مادہ پرستی، لاادریت (Agnosticism) وغیرہ مختلف قسم کی تاریکیاں ہیں۔ تو جتنے بھی غلط فلسفے ہیں، جتنے بھی غلط نظریات ہیں، جتنی بھی عمل کی غلط راہیں ہیں، ان سب کے اندھیادوں سے نکال کر اللہ اہل ایمان کو ایمان کی روشنی کے اندر لانا رہتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور (ان کے برعکس) جنہوں نے کفر کیا، ان کے اولیاء (پشت پناہ، ساتھی اور مددگار) ظالمت ہیں۔“
﴿يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ ”وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔“

اگر کہیں نور کی تھوڑی بہت رقیق نہیں ملی بھی تھی تو اس سے انہیں محروم کر کے انہیں تاریکیوں کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”یہی لوگ ہیں آگ والے یہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“
﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اللَّهُمَّ أَخْرِجْنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ!

اس کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت عزیر علیہ السلام کی زندگی کے کچھ واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔

آیات ۲۵۸ تا ۲۶۰

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾
﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلَنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى

الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٨﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أُولَئِمُ تَوَمِّنٌ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا وَاعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾

آیت ۵۸ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ اتَّهَمَهُ اللَّهُ الْمُلْكَ﴾ ”کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حجت بازی کی تھی ابراہیم سے اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی ہوئی تھی۔“

یہ بابل (عراق) کا بادشاہ نمرود تھا۔ یہ ذہن میں رکھیے کہ نمرود اصل میں لقب تھا کسی کا نام نہیں تھا۔ جیسے فرعون (ج فرعونہ) مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا اسی طرح نمرود (ج نمرودہ) بابل (عراق) کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ”ار“ میں ہوئی تھی جو بابل (Babylonia) کا ایک شہر تھا اور وہاں نمرود کی بادشاہت تھی۔ جیسے فرعون نے مصر میں اپنی بادشاہت اور اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا اسی طرح کا دعویٰ نمرود کا بھی تھا۔ فرعون اور نمرود کا خدائی کا دعویٰ درحقیقت سیاسی بادشاہت اور اقتدار کا دعویٰ تھا کہ اختیار مطلق ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم جس چیز کو چاہیں غلط قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں صحیح قرار دے دیں۔ یہی اصل میں خدائی اختیار ہے جو انہوں نے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی شے کو حلال کرنے یا کسی شے کو حرام کرنے کا اختیار واحد اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس شخص نے بھی قانون سازی کا یہ اختیار اللہ کے قانون سے آزاد ہو کر اپنے ہاتھ میں لے لیا وہی طاغوت ہے، وہی شیطان ہے، وہی نمرود ہے، وہی فرعون ہے۔ ورنہ فرعون اور نمرود نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا تھا کہ یہ دنیا ہم نے پیدا کی ہے۔

﴿إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ﴾ ”جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اُس نے کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔“

نمرود نے جیل سے سزائے موت کے دو قیدی منگوائے، ان میں سے ایک کی گردن وہیں اڑادی اور دوسرے کی سزائے موت معاف کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگا کہ دیکھو میں نے جس کو چاہا زندہ رکھا اور جس کو چاہا مار دیا۔ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ یہ کٹ جتنی پراتر ہوا ہے اسے ایسا جواب دیا جانا چاہیے جو اُس کو چپ کرادے۔

﴿قَالَ اِبْرَاهِمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ ”ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے (اگر تو خدائی کا مدعی ہے) تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا“
﴿فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾ ”تو مبہوت ہو کر رہ گیا وہ کافر۔“

اب اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ یہ بات سن کر بھونچا اور ششدر ہو کر رہ گیا۔
﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“
اللہ نے اسے راہ یاب نہیں کیا، لیکن وہ چپ ہو گیا، اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ اس کے بعد اس نے بُت کدے کے پجاریوں کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو آگ میں جھونک دیا جائے۔

آیت ۲۵۹ ﴿اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا﴾ ”یا پھر جیسے کہ وہ شخص (اس کا واقعہ ذرا یاد کرو) جس کا گزر ہوا ایک بستی پر اور وہ اونڈھی پڑی ہوئی تھی اپنی چھتوں پر۔“
تفاسیر میں اگرچہ اس واقعے کی مختلف تعبیرات ملتی ہیں، لیکن یہ دراصل حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ ہے جن کا گزر یرושلم شہر پر ہوا تھا جو تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ بابل (عراق) کے بادشاہ بخت نصر (Nebuchadnezzar) نے ۵۸۶ ق م میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور یرושلم کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ اس وقت بھی عراق اور اسرائیل کی آپس میں بدترین دشمنی ہے۔ یہ دشمنی درحقیقت ڈھائی ہزار سال پرانی ہے۔ بخت نصر کے حملے کے وقت یرושلم بارہ لاکھ کی آبادی کا شہر تھا۔ بخت نصر نے چھ لاکھ نفوس کو قتل کر دیا اور باقی چھ لاکھ کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا ہوا قیدی بنا کر لے گیا۔ یہ لوگ ڈیڑھ سو برس تک اسیری (captivity) میں رہے ہیں اور یرושلم اجڑا رہا ہے۔ وہاں کوئی تنفس زندہ نہیں بچا تھا۔ بخت نصر نے یرושلم کو اس طرح تباہ و برباد کیا تھا کہ کوئی دوائیں سلامت نہیں چھوڑیں۔ اُس نے ہیکل سلیمانی کو بھی مکمل طور پر شہید کر دیا تھا۔ یہودیوں کے مطابق ہیکل کے ایک تہہ خانے میں ”تابوتِ سکینہ“ بھی تھا اور وہاں ان کے ربائی بھی موجود تھے۔ ہیکل مسمار ہونے پر وہیں ان کی موت واقع ہوئی اور تابوتِ سکینہ بھی وہیں دفن ہو گیا۔ تو جس زمانے میں یہ بستی اجڑی ہوئی تھی، حضرت عزیر علیہ السلام کا اُدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی تنفس زندہ نہیں اور کوئی عمارت سلامت نہیں۔

﴿قَالَ اَنِّيْ يُحْيِيْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ”اُس نے کہا کہ اللہ اس بستی کو اس کے اس طرح مردہ اور برباد ہو جانے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟“

ان کا یہ سوال اظہارِ حیرت کی نوعیت کا تھا کہ اس طرح اُجڑی ہوئی بستی میں دوبارہ کیسے احیاء ہو سکتا ہے؟ دوبارہ کیسے اس میں لوگ آکر آباد ہو سکتے ہیں؟ اتنی بڑی تباہی و بربادی کہ کوئی تنفس باقی نہیں، کوئی دوا بیشیں سلامت نہیں!

﴿فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ﴾ ”تو اللہ نے اس پر موت وارد کر دی سو برس کے لیے اور پھر اس کو اٹھایا۔“

﴿قَالَ كَمْ لَبِثْتَ﴾ ”پوچھا کتنا عرصہ یہاں رہے ہو؟“
 ﴿قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ”کہنے لگا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔“
 ان کو ایسا محسوس ہوا جیسے تھوڑی دیر کے لیے سویا تھا شاید ایک دن یا دن کا کچھ حصہ میں یہاں رہا ہوں۔

﴿قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ﴾ ”(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا بلکہ تم پورے سو سال اس حال میں رہے ہو“

﴿فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ ”تو ذرا تم اپنے کھانے اور اپنے مشروب کو (جو سفر میں تمہارے ساتھ تھا) دیکھو ان کے اندر کوئی بسا نہ پیدا نہیں ہوئی۔“
 ان میں سے کوئی شے گلی سڑی نہیں، ان کے اندر کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔
 ﴿وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ﴾ ”اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں)“

حضرت عزیر علیہ السلام کی سواری کا گدھا اس عرصے میں بالکل ختم ہو چکا تھا، اس کی بوسیدہ ہڈیاں ہی باقی رہ گئی تھیں، گوشت گل سڑ چکا تھا۔

﴿وَلَنَجْجَعَكَ آيَةً لِلنَّاسِ﴾ ”اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں“
 یعنی اے عزیر! ہم نے تو خود تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا ہے، اس لیے ہم تمہیں اپنی یہ نشانی دکھا رہے ہیں تاکہ تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین کامل حاصل ہو۔

﴿وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا﴾ ”اور اب ان ہڈیوں کو دیکھو کس طرح ہم انہیں اٹھاتے ہیں“

﴿ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا﴾ ”پھر (تمہاری نگاہوں کے سامنے) ان کو گوشت پہناتے ہیں۔“
 چنانچہ حضرت عزیر کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے گدھے کی ہڈیاں جمع ہو کر اس کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا اور

پھر اس پر گوشت بھی چڑھ گیا۔

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ﴾ ”پس جب اس کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی“

حضرت عزیر علیہ السلام نے پچشم سر ایک مردہ جسم کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کر لیا۔

﴿قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”وہ پکار اٹھا کہ میں نے پوری طرح جان

لیا (اور مجھے یقین کامل حاصل ہو گیا) کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“

انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑی ہوئی ہستی کو بھی دوبارہ آباد کر سکتا ہے، اس کی آبادی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نقب کی حیثیت حاصل ہے۔ بابل کی اسارت کے دوران یہود اخلاقی زوال کا شکار تھے۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے متذکرہ بالا مشاہدات کرادیے تو آپ نے وہاں جا کر یہود کو دین کی تعلیم دی اور ان کے اندر روح دین کو بیدار کیا۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہ کینورس (Cyrus) نے جب بابل (عراق) پر حملہ کیا تو یہودیوں کو اسارت (captivity) سے نجات دی اور انہیں دوبارہ فلسطین میں جا کر آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ اس طرح یروشلم کی تعمیر نو ہوئی اور یہ بستی ۱۳۶ سال بعد دوبارہ آباد ہوئی۔ پھر یہودیوں نے وہاں ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا جس کو وہ معبد ثانی (Second Temple) کہتے ہیں۔ پھر یہ ہیکل ۷۰ عیسوی میں رومن جنرل ٹائٹس کے ہاتھوں تباہ ہو گیا اور اب تک دوبارہ تعمیر نہیں ہو سکا۔ دو ہزار برس ہونے کو آئے ہیں کہ ان کا کعبہ زمین بوس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر کے یہودیوں کے دلوں میں آگ سی لگی ہوئی ہے اور وہ مسجد اقصیٰ کو مسمار کر کے وہاں ہیکل سلیمانی (معبد ثالث) تعمیر کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اس کے نقشے بھی تیار ہو چکے ہیں۔ بس کسی دن کوئی ایک دھماکہ ہوگا اور خیر آ جائے گی کہ کسی جنونی (fanatic) نے وہاں جا کر بم رکھ دیا تھا جس کے نتیجے میں مسجد اقصیٰ شہید ہو گئی ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ ایک جنونی یہودی ڈاکٹر نے مسجد الخلیل میں ۷۰ مسلمانوں کو شہید کر کے خود بھی خودکشی کر لی تھی۔ اسی طرح کوئی جنونی یہودی مسجد اقصیٰ میں بم نصب کر کے اس کو گرا دے گا اور پھر یہودی کہیں گے کہ جب مسجد مسمار ہو ہی گئی ہے تو اب ہمیں یہاں ہیکل تعمیر کرنے دیں۔ جیسے یوڈیہا میں بابر کی مسجد کے انہدام کے بعد ہندوؤں کا موقف تھا کہ جب مسجد گر ہی گئی ہے تو اب یہاں پر ہمیں رام مندر بنانے دو! بہر حال یہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ تھا۔ اب اسی طرح کا ایک معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ ہے۔

آیت ۲۶۰ ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّاكَ وَنَحْنُ عَالِمُونَ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ ابراہیم نے

بھی کہا تھا پروردگار! اگر مجھے مشاہدہ کرادے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟“

☆ کینورس کا ذکر سورۃ الکہف میں ”ذوالقرنین“ کے نام سے آیا ہے۔

﴿قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُوا﴾ ”(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا تم (اس بات پر) ایمان نہیں رکھتے؟“
﴿قَالَ بَلَىٰ﴾ ”کہا کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں)“

﴿وَلَكِنْ يَظْمِنُ قَلْبِي﴾ ”لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔“
یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا معاملہ ہے کہ انہیں عین یقین اور حق یقین کے درجے کا ایمان عطا کیا جاتا ہے۔ انہیں چونکہ ایمان اور یقین کی ایک ایسی بھٹی (furnace) بنانا ہوتا ہے کہ جس سے ایمان اور یقین دوسروں میں سرایت کرے تو ان کے ایمان و یقین کے لیے ان کو ایسے مشاہدات کروادیے جاتے ہیں کہ ایمان ان کے لیے صرف ایمان بالغیب نہیں رہتا بلکہ وہ ایمان بالشہادۃ بھی ہو جاتا ہے۔ سورۃ الانعام میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے نظام حکومت کا مشاہدہ کرایا تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں آسمانوں پر لے جایا گیا کہ وہ ہر شے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان مشاہدات سے انبیاء کو ان ایمانی حقائق پر یقین کامل ہو جاتا ہے جن کی وہ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ گویا وہ خود ایمان اور یقین کی ایک بھٹی بن جاتے ہیں۔

﴿قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ﴾ ”فرمایا“ اچھا تو چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے ساتھ ہلاؤ“

انہیں اپنے ساتھ اس طرح مانوس کر لو کہ وہ تمہاری آوازن کر تمہارے پاس آجایا کریں۔
﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ ”پھر ان کے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو“

﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا﴾ ”پھر ان کو پکارو تو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔“
اس کی تفصیل میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاروں پرندوں کے سر دھڑ ٹانگیں اور ان کے پر علیحدہ علیحدہ کیے۔ پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر دوسرے پہاڑ پر چاروں کے دھڑ تیسرے پہاڑ پر چاروں کی ٹانگیں اور چوتھے پہاڑ پر چاروں کے پر رکھ دیے۔ اس طرح انہیں مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیا۔ پھر انہیں پکارا تو ان کے اجزاء مجتمع ہو کر چاروں پرندے اپنی سابقہ ہیئت میں زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آ گئے۔

﴿وَأَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”اور (اس بات کو یقین کے ساتھ) جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمال حکمت والا ہے۔“

